ماہنامہ

رائے بریلی

پیام عرفات

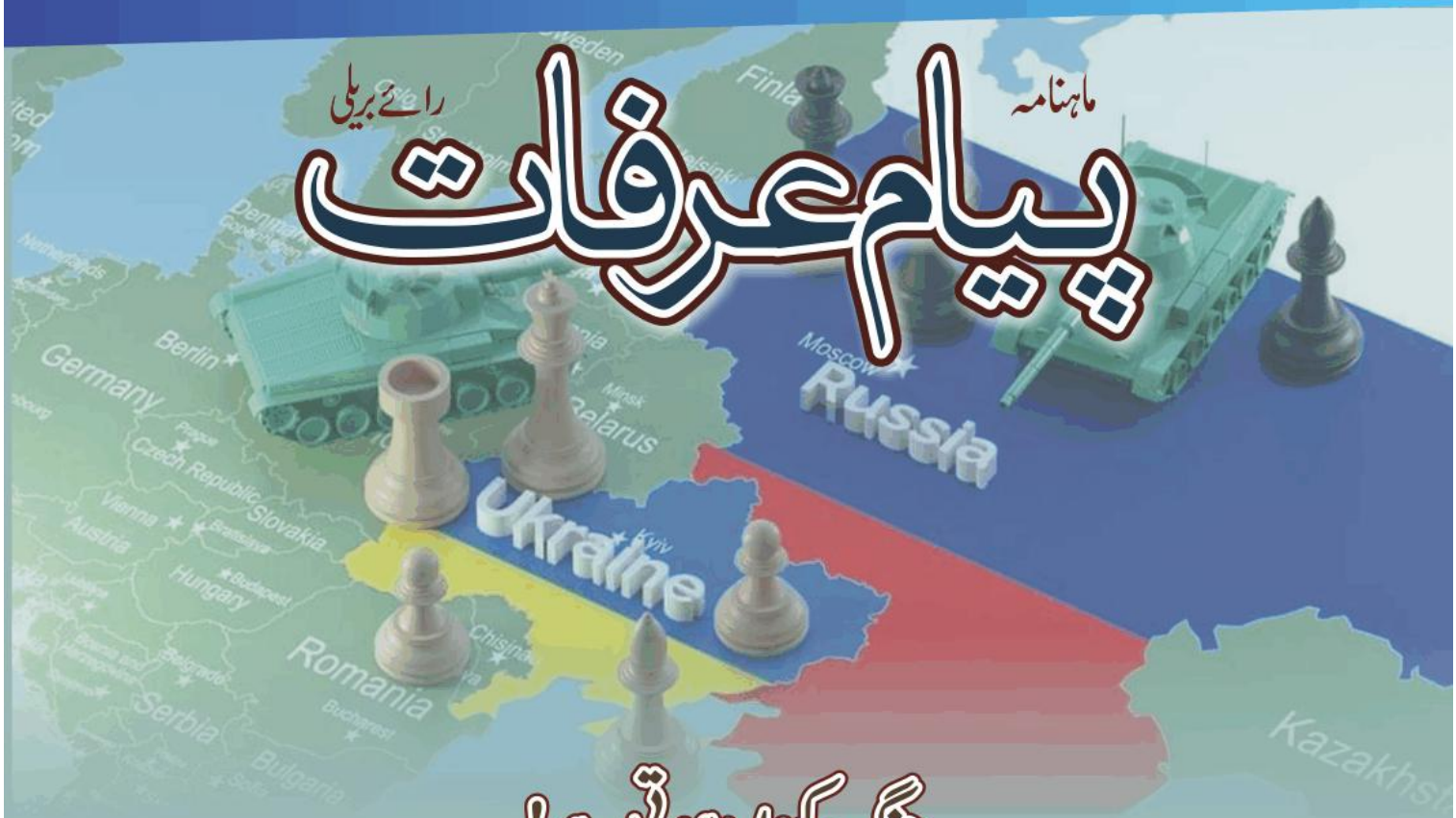

جنگ کیوں ہوتی ہے!

''موجودہ طرز زندگی میں انسانیت کی بڑائی مال داری اور مادی عروج ہے۔ آج دنیا میں سارا فساد اسی طرز فکر اور اسی معیار زندگی کا ہے۔ گذشتہ دونوں عالمی جنگیں مال ودولت اور عزت ووجاہت کی ہوس کا نتیجہ تھیں جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں اور ملک کے ملک تباہ ہو گئے، بس آج قوموں کو ٹکرانے والا جذبہ یہ ہے کہ ہماری تجوری بھرے اور ہمارا بول بالا ہو اور ہمارا سکہ چلے، ہماری قوم سرفراز ہو، یہ بڑے پیمانہ کی خود غرضیاں سارے فتنہ وفساد کی جڑ ہیں، تہذیب یا کلچر یا زبان کا اختلاف فساد کا باعث نہیں، بلکہ اس ٹکراؤ میں نفسانی اغراض کام کر رہے ہیں، خود غرضیاں ٹکرا رہی ہیں، غرض کا مذہب ٹکرا رہا ہے۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(تعمیر انسانیت: ۳۶-۳۷)

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

پردہ عورت کا فطری حق

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

''پردہ عورت کا فطری حق ہے، عورت گھر میں ہو یا بازار میں، کالج میں ہو یا یونیورسٹی میں یا دفتر اور عدالت میں ہو، وہ اپنی فطرت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے، وہ جہاں ہوگی، اس کی ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز اسے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی، وہ بے دین قومیں جو عورت کی فطرت سے اندھی اور خالق فطرت کے احکام سے نا آشنا ہیں وہ اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو جائے تعجب نہیں، مگر ایک مسلمان جس کے سامنے خدا اور رسول کے احکام اور اس کے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو اس کو اپنی بہو و بیٹیوں کو پردے سے باہر لے کر آنا مردہ ضمیری کا قبیح ترین مظاہرہ ہے، عورت کی ساخت پرداخت، اس کی عادات واطوار اور اس کی گفتار و رفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے، اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔

ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ وہ عورت جو عصمت و تقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت و نزاہت سے چاند شرماتا تھا، اسے پردہ سے باہر لا کر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام لیا گیا، جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں شمع محفل ہے، اس کی محبت و خلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لیے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی و زیبائی وقف تماشائے عالم ہے، وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں، بلکہ وہ بازاروں کی رونق ہے، آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی، اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا؟ کیا یہی آزادی نسواں ہے جس کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے تھے؟ اسلام کی نظر میں عورت ایک ایسا پھول ہے جو غیر محرم نظر کی گرم ہوا سے فوراً مرجھا جاتا ہے، اسے پردہ سے باہر لانا اس کی فطرت کی توہین ہے۔

ادھر عورتیں پردہ سے باہر آئیں، ادھر انہیں زندگی کی گاڑی میں جوت دیا گیا، تجارت کریں تو عورتیں، وکالت کریں تو عورتیں، صحافت کے شعبہ میں جائیں تو عورتیں، عدالت کی کرسی پر متمکن ہوں تو عورتیں، اسمبلی میں جائیں تو عورتیں، الغرض کاروباری زندگی کا وہ کون سا بوجھ تھا جو مظلوم عورت کے نازک کندھوں پر نہیں ڈال دیا گیا، سوال یہ ہے کہ جب یہ تمام فرائض عورتوں کے ذمہ آئے تو مرد کس مرض کی دوا ہیں؟ اسلام نے نان و نفقہ کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی، لیکن بزدل مغرب نے مردوں کے دوش بدوش چلنے کا جھانسا دے کر یہ سارا بوجھ اٹھا کر عورت کے سر پر رکھ دیا۔''

(بصائر وعبر: ۲۳۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ — مارچ ۲۰۲۲ء-شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ — شمارہ: ۳

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

انسانی لالچ کا انجام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"لَوْ كَانَ لِإِبْنِ آدَمَ وَادِياً مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ ثَانِياً، وَلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اگر آدمی کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں، تو اسے ایک تیسری وادی کی خواہش ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ اس کا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرے گا، سوائے مٹی کے۔)

(سنن الترمذی: ۲۳۳۷)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

موجودہ حالات اور چند گزارشات (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

اقتدار تک دین پہنچانے کے دو راستے.....۴

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟.....۵

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سچائی کیا ہے؟ (جاری).....۷

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

صدقۂ فطر کے چند مسائل.....۹

.....مفتی راشد حسین ندوی

دائمی راہِ نجات.....۱۱

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism).....۱۳

.....سید محمد مکی حسنی ندوی

مولانا علی میاںؒ کا اشتغالِ حدیث.....۱۵

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

روس یوکرین جنگ (منظر-پس منظر).....۱۸

.....محمد نفیس خاں ندوی

زاہد نے مرا حاصل ایماں نہیں دیکھا

نتیجۂ فکر:- جناب اصغر گونڈویؒ

مستی میں فروغ رخ جاناں نہیں دیکھا
سنتے ہیں بہار آئی گلستاں نہیں دیکھا

زاہد نے مرا حاصل ایماں نہیں دیکھا
رخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

آئے تھے سبھی طرح کے جلوے مرے آگے
میں نے مگر اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

ہر حال میں بس پیش نظر ہے وہی صورت
میں نے کبھی روئے شب ہجراں نہیں دیکھا

کچھ دعویٔ تمکیں میں ہے معذور بھی زاہد
مستی میں تجھے چاک گریباں نہیں دیکھا

روداد چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

مجھ خستہ و مہجور کی آنکھیں ہیں ترستی
کب سے تجھے اے سرو خراماں نہیں دیکھا

کیا کیا ہوا ہنگام جنوں یہ نہیں معلوم
کچھ ہوش جو آیا تو گریباں نہیں دیکھا

شائستہ صحبت کوئی ان میں نہیں اصغؔر
کافر نہیں دیکھے کہ مسلماں نہیں دیکھا

بلال عبدالحی حسنی ندوی

موجودہ حالات اور چند گذارشات

حکومتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں، کبھی کسی کو زیادہ وقت ملتا ہے اور کسی کو کم، یہ وہ ظاہری کامیابی ہے جس کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں، خود ہندوستان میں اندرا گاندھی کے زمانہ میں ایک دور ایسا گذرا ہے کہ نہیں لگتا تھا کہ اس اقتدار کو بھی جلد ایسا زوال آنے والا ہے، ہر عروج کا زوال ہے، اس کی مدت کی پیشین گوئی اگر کی جاسکتی ہے تو اندر کی اس ٹھوس محنت سے کی جاسکتی ہے جو قومیں یا جماعتیں کرتی ہیں، مستقبل اس زمینی اور ٹھوس محنت کا ہوتا ہے جو مسلسل کی جائے، جس میں کچھ عرصہ کے لیے ظاہری کامیابیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے وہ بنیادی کام کیے جائیں جو قوموں کی کامیابیوں کے لیے شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ الیکشن کی محنت ہوسکتا ہے کچھ سیٹیں کسی کی بڑھادے یا گھٹادے لیکن یہ مسئلہ کا حل نہیں۔

موجودہ حالات میں خاص طور پر مسلمانوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کے پاس جو سماجی واخلاقی نظام زندگی ہے، اس سے دنیا کی قومیں عاری ہیں، لیکن افسوس کہ ان کے اندر اس نظام کو پیش کرنے اور دنیا کو نیا رخ دینے کا وہ ذوق اور صلاحیت کم ہوتی جارہی ہے جو کبھی مسلمانوں کا امتیاز تھا۔

آج سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسلمان اپنا جائزہ لے کر نیا سفر شروع کریں، سفر میں رکاوٹیں اور دشواریاں آسکتی ہیں، لیکن منزل جس کے پیش نظر ہو وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا، وہ ہمیشہ نئے نئے راستے تلاش کرتا ہے اور منزل کو پانے کے لیے سرگرداں رہتا ہے، مایوسی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، مسلمانوں کا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا، اس لیے مایوسی کے لفظ کو حرف غلط کی طرح مٹادینا چاہیے۔

سب سے پہلے ہمیں اپنی ایمانی سطح کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پر یقین اور اس کے فیصلوں پر راضی برضا رہنا، جو ہوتا ہے وہ حقیقت میں فیصلہ الٰہی ہے، کوئی طاقت واقتدار میں آتا ہے تو اللہ کے حکم سے آتا ہے، اس کی مصلحتیں بھی وہ حکیم وخبیر خوب جانتا ہے اور یقیناً ہماری بداعمالیوں کا شاخسانہ بھی ہمیں بھگتنا پڑتا ہے، ہم اپنے ایمان کو مضبوط کریں، ایمانی تقاضوں کو بلند کریں اور اسلام کے مکمل نظام حیات کو اپنی زندگی کے لیے دستور العمل بنائیں۔

دوسرے ہمیں تعلیم کے میدان میں آنا ہوگا اور اس کا نظام اپنے ہاتھوں میں لینا ہوگا، زندگی کے تقاضوں کو سمجھ کر ہر شعبہ زندگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا اور علم کو اخلاق سے جوڑ کر انسانیت کے لیے ایک نیا راستہ ہموار کرنا ہوگا، جس کی ساری دنیا کو ضرورت ہے، اس کے لیے جگہ جگہ اسلامک اسکولز اور کالجز قائم کرنے پڑیں گے، جہاں ہماری پچانوے فیصد آبادی تعلیم حاصل کرتی ہے، اگر ان اداروں کے لیے ہم نے فکر نہ کی، تو یہ نئی نسل ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی، آگے کی تعلیم کے لیے بڑے پیمانہ پر کوچنگ سینٹرز کی بھی ضرورت ہے، جہاں ہماری نئی نسل صحیح اسلامی فکر کے ساتھ میدان عمل میں آسکے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہمیں محلّہ محلّہ ایک ایک مسجد کو مرکز بنا کر اپنا اجتماعی نظام بھی قائم کرنے کی ضرورت ہے، اس مسجد سے متعلق کوئی گھر ایسا نہ بچے جس کی ہمیں فکر نہ ہو، ہر ہر گھر کا ایک ایک بچہ اور بچی ضروری دینی تعلیم حاصل کرے، جس سے اس کا ایمان محفوظ رہ سکے، اس کے علاوہ ایک ایک گھر کی بنیادی پریشانیوں کا ہمیں علم ہو اور ان کو دور کرنے کا بھی نظام بنایا جائے، غریبوں کے روزگار کی بھی فکر کی جائے اور اس کے لیے بھی تدبیریں اختیار کی جائیں، صاحب فکر اور صاحب ثروت طبقہ اس کو دینی مزاج کے ساتھ اپنا میدان عمل بنائے اور اس کے لیے ضروری وسائل اختیار کرے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق وانسانیت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئیں اور ان غلط فہمیوں کو اپنے طرز عمل سے دور کریں جو اس وقت برادران وطن میں پیدا کی جارہی ہیں، ہم مکمل اسلام کو اپنی زندگی میں داخل کریں اور اپنے اخلاق سے دل جیتنے کی کوشش کریں، تو یقیناً یہ کام آسان ہوجائے گا اور اس کے ساتھ وہ پیام انسانیت کا لٹریچر بھی عام کرنے کی کوشش کی جائے، جس سے ذہن سازی ہوتی ہو، ملاقاتیں بھی کریں، کارنر میٹنگیں اور ڈائلاگ بھی اس سلسلہ میں مفید ہیں۔

مدارس کو مضبوط کرنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ یہی دین کے قلعے ہیں، یہیں سے ہم کو اپنے کاموں کے لیے طاقت وتدبیر مہیا ہوگی۔

یہ چند ضروری اور ٹھوس کام ہیں، جو انشاء اللہ ہمارے کامیاب مستقبل کی ضمانت ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پوری طاقت اور تدبیر کے ساتھ ان کاموں میں لگ جائیں، اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور انشاء اللہ کل حالات کچھ اور ہوں گے۔

اقتدار تک دین پہنچانے کے دو راستے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اقتدار تک دین پہنچانے کے دراصل دو راستے ہیں:

ایک راستہ یہ ہے کہ جو لوگ اہل ایمان ہیں، اسلام کا درد اور جذبہ رکھتے ہیں اور دین دار طبقہ ہے اور جس کی دینداری سب کو معلوم ہے وہ طبقہ حکومت کی کرسیوں تک پہنچ جائے اور ان پر قابض ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو طبقہ اس وقت حکومت کی کرسیوں پر متمکن ہے، اس میں ایمان پہنچ جائے اور وہ اس دعوت کا علم بردار بن جائے۔ یہ دوسرا راستہ زیادہ محفوظ اور زیادہ محتاط ہے اور یہ وہ راستہ ہے جو ہمارے اس برصغیر کے سب سے بڑے مصلح اور اسلامی انقلاب لانے والی شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اختیار کیا کہ انہوں نے سلطنت مغلیہ کے حکمرانوں کو باور کرایا کہ ہم تمہاری حکومت اور کرسیوں پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے، یہ تو ہمارے مقام و مرتبہ سے فروتر بات ہے، ہم اگر اس کو خواب میں بھی دیکھیں تو پریشان ہو جائیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو کام ہمارے پیش نظر ہے اور جس کے کرنے کی ہمیں آرزو اور تمنا ہے اور بڑی سعادت ہے، وہ تم کرو اور ہم تمہارے ہاتھوں سے یہ کام کرانا چاہتے ہیں۔

اس طرح انہوں نے ان فرمانرواؤں میں کام کرنے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا کیا اور کہا کہ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ہم یا ہمارے تعلق والے تمہاری کرسیوں پر قبضہ کریں اور تمہیں ہٹا دیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے اور ہماری دلچسپی اس میں ہے کہ جو کام ہم بحیثیت مسلمان کرنا چاہتے ہیں وہ تم کرو، ہم اس میں راضی ہیں۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ ایک راستہ یہ ہے کہ اہل دین حکومت کی کرسیوں پر پہنچ جائیں یا دین اہل کرسیوں تک پہنچ جائے۔

جو لوگ اس وقت اقتدار پر متمکن ہیں، اسلام اور دین ان تک پہنچ جائے، ان کے اندر ایمان پیدا ہو جائے اور ان میں اسلام کا جذبہ پیدا ہو جائے اور خدمت کرنے کا داعیہ پیدا ہو جائے، یہ راستہ زیادہ بہتر ہے، یا یہ کہ ان کو کرسیوں سے اتار کر، ان سے کرسیاں چھین کر اقتدار پر قبضہ جمایا جائے؟

ظاہر ہے اس میں بڑی کش مکش ہے اور یہ بڑا طویل راستہ ہے اور اس میں کامیابی کا امکان بہت کم ہے، یہ وہ چیز ہے جو فرامین نبویؐ میں نظر آتی ہے۔ آپؐ نے قیصر و کسریٰ کو جو خط لکھے ہیں، اس میں کہا کہ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ اسلام قبول کر لو اس میں دوہرا اجر ہے۔ یہ تو غیر مسلم کا معاملہ ہے، ایک عیسائی تھا اور دوسرا خسرو پرویز تھا، دونوں کو جو خط آنحضرت ﷺ نے لکھے ہیں، اس میں آپ ﷺ نے یہ نہیں لکھا کہ سلطنت ہمارے حوالہ کر دو، یا دینداروں کے سپرد کر دو، دیندار اس پر بیٹھ کر دین کی خدمت کریں گے، بلکہ یہ کہا کہ تم اسلام لاؤ بچ جاؤ گے، تمہاری حکومت بھی محفوظ رہے گی اور تم بھی محفوظ رہو گے۔

اسلام کا نبویؐ اور قرآنی مزاج یہ ہے، یہ نہیں کہ پہلے اس پر بے اعتمادی کا اظہار کیا جائے، اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچی جائے، بلکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کے منہ میں ایمان کا لقمہ رکھا جائے، ان پر اعتماد کا اظہار کیا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، وہ اگر تھوڑا کام بھی کریں، ایک قدم بھی اٹھائیں تو اس کو سراہا جائے اور اس کا شکریہ ادا کیا جائے، یہ انسانی فطرت ہے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا راستہ زیادہ مختصر اور محفوظ ہے، پہلا طریقہ اختیار کرنے میں اکثر بڑی طاقت اور وقت ضائع ہوتا ہے اور ایک اندرونی کش مکش پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے ہمیں ذرائع کے بجائے مقاصد پر نظر رکھنی چاہیے، کوئی مقصد کم سے کم قربانیوں کے ساتھ پورا ہو سکتا ہو تو پھر وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اخروی زندگی سنوارنے کے لیے بار بار ہوشیار کیا اور جب بھی انسان سیدھے راستہ سے بہکا یا اپنے مقصد کو بھول گیا اور نظر انداز کر بیٹھا جو اس کی تخلیق کا بنیادی مقصد تھا تو اللہ نے نبیوں کو بھیجا، قوموں کے اندر جب برائیاں اور گمراہیاں پھیل جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی باتیں حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور اس وقت ان کی گستاخیوں اور بدتمیزیوں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ واقعی قابل عذاب ہیں اور اسی دنیا میں ان کی پٹائی کی ضرورت ہے، تو ایسی صورت حال میں اللہ تعالیٰ نبی کو بھیجتا ہے، تاکہ حجت تمام ہوجائے اور کسی کو یہ کہنے کا جواز نہ رہے کہ ہمیں پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی کسی نے ہمیں سیدھے راستہ کی رہنمائی کی تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں پہلے سے یہ بات ہے کہ جو لوگ ماننے والے نہیں ہیں وہ بعثت نبی کی حجت تمام ہونے کے بعد بھی نہیں مانیں گے، لہٰذا ان کو سزا کا مستحق پھر بھی قرار پانا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہر کام ظاہری نظام کے ساتھ کرتا ہے، اسی لیے اس نے نبیوں کو بھیجا اور انہوں نے قوم کی اصلاح میں اپنی پوری عمر گذار دی، پھر جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ لوگ باز نہیں آئیں گے تو اس کے بعد ایک عام شخص بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ بلاشبہ ایسے لوگ عذاب ہی کے قابل ہیں، چنانچہ اس کے بعد ہی اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعثت نبوی ﷺ کے ساتھ یہ خصوصیت رکھی کہ آپ ﷺ کی قوم پر اجتماعی عذاب نہیں آئے گا، لیکن آپ ﷺ کے مخاطبین کو بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ متنبہ کیا گیا اور پچھلی قوموں سے درس عبرت لینے کی بات کہی گئی اور بتایا گیا کہ سابقہ قوموں پر عذاب آچکا ہے، اس لیے کہ جب قوم کے حالات خراب ہوتے ہیں تو اس پر اللہ کا عذاب آتا ہے، لہٰذا اگر تم نے ہماری اور ہمارے نبی کی بات نہیں مانی تو تم پر بھی یہ عذاب نازل ہوسکتا ہے، لیکن یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں تھی کہ یہ لوگ آخر میں اسلام قبول کرلیں گے اور اس حد تک نہیں جائیں گے، جس حد تک گذشتہ قومیں چلی گئی تھیں، جنہوں نے معجزات کا تمسخر کیا تھا، جیسے قوم ثمود جس نے ناقہ کو ذبح کردیا، یا پھر اور دوسری وہ قومیں جنہوں نے ہر معجزہ کا انکار کیا اور ہٹ دھرمی اختیار کی، جب انہوں نے نبیوں کو اتنا تنگ کردیا کہ ان کو بخشنے کا کوئی موقع نہیں رہ گیا تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اوپر عذاب بھیجا۔

اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ یکبارگی کوئی بڑا عذاب نہیں بھیجتا، بلکہ پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب دیتا ہے، جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بندے متنبہ اور ہوشیار ہوجائیں، چھوٹے عذاب کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ اگر تم نے اپنی اصلاح نہیں کی تو کسی بڑے عذاب میں مبتلا ہوسکتے ہو، اسی لیے ہم پہلے ہی تم کو متوجہ کررہے ہیں اور یہ بھی اللہ کا اپنے بندوں پر رحم وکرم ہے کہ وہ بندوں کو متوجہ کردیتا ہے، جیسے کوئی بڑا شخص بچہ کی غلطی پر اس کو طمانچہ ماردیتا ہے تاکہ وہ آئندہ غلطی نہ کرے اور اس کی کوئی بری عادت نہ پڑجائے، ٹھیک اسی طرح اللہ تبارک تعالیٰ بندوں کو تکلیف میں مبتلا کرتا ہے اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ یہ بندہ اچھا ہے تو اس کا انجام بھی اچھا ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ اس کو تکلیفوں میں مبتلا کرتا ہے، تاکہ وہ متنبہ ہوجائے اور اپنی زندگی کی اصلاح کرلے۔

بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ چھوٹی چھوٹی مصیبتیں اور تکلیفیں اس لیے

دیتا ہے، تاکہ ایک اچھے بندے کو غیر معمولی اجر حاصل ہو سکے اور وہ آخرت میں ان کے بدلہ بڑا فائدہ اٹھائے، اس وقت آدمی یہ تمنا کرے گا کہ اے کاش! دنیا میں ہم کو اور زیادہ تکلیفیں ملی ہوتیں تو ہم کو یہاں مزید بہتر اجر حاصل ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب بزرگان دین تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کو سزا نہیں سمجھتے، بلکہ یہ تصور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ایسی بات پسند آگئی ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اخروی زندگی کے اندر ان کے درجات بڑھانا چاہتا ہے، تاکہ وہاں کا ذخیرہ بڑھ جائے اور وہ خوب فائدہ اٹھائیں، تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ جب تکلیف ہو تو آدمی کو ڈرنا چاہیے، کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تکلیف ایک سزا اور تنبیہ کے بطور ہو، اسی لیے آدمی کو سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم سے کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہوئی ہے، اس تصور میں بعض لوگ تو اتنے زیادہ حساس ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہر تکلیف سے متعلق یہی سوچتے ہیں کہ وہ ان کے کسی گناہ کی سزا ہے، پھر جب وہ اپنی غلطی تلاش کرتے ہیں تو ان کو سمجھ میں بھی آجاتا ہے کہ یہ سزا ہمارے فلاں گناہ کی ہو سکتی ہے اور پھر وہ فوراً ندامت کے ساتھ توبہ کر لیتے ہیں، الغرض آدمی کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، پتہ نہیں اللہ کو کون سی چیز ناپسند ہو جائے اور ہم اس کی سزا کے مستحق قرار پائیں۔

بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی ایسی بات پر نازل ہو جاتا ہے جو بظاہر معمولی نظر آتی ہے، لیکن وہ اللہ کی شان کے خلاف بات ہوتی ہے، تو ایسی بات پر اللہ کا عذاب فوراً نازل ہو جاتا ہے اور آدمی کی سزا ہو جاتی ہے، جیسا کہ سورۂ کہف میں موجود دو باغ والوں کے قصہ سے پتہ چلتا ہے، جس میں ایک شخص کو ایک نامناسب جملہ بولنے کی وجہ سے بڑی سزا سے دوچار ہونا پڑا اور آن کی آن میں اس کے سب باغات ختم کر دیے گئے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر آدمی اللہ کے معاملہ میں بے احتیاطی کرے گا یا کوئی نامناسب ریمارک کرے گا تو اس کی گرفت فوراً ہو جائے گی، لیکن عام گناہوں پر فوراً سزا نہیں ہوتی ہے، بلکہ ان کا حساب و کتاب آخرت میں ہوگا، اس دنیا میں آدمی جو بھی گناہ کرے گا تو اس کی سزا آخرت میں ہوگی، فوری طور پر بس اسی گناہ کی سزا ہوتی ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں گستاخی ہو یا وہ تکبر اور بدتمیزی والی بات ہو۔

انسانوں کے اوپر جو چھوٹی چھوٹی مصیبتیں آتی ہیں، یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوجہ کرنے کے لیے تازیانے ہوتے ہیں، علماء کہتے ہیں کہ جو مصیبت آتی ہے اس کی تین شکلیں ہوتی ہیں، یا تو وہ تنبیہ ہوتی ہے، یا عذاب ہوتا ہے اور یا پھر وہ نیک لوگوں کے درجات میں اضافہ کا ذریعہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو بیماری میں اس لیے مبتلا کرتا ہے تاکہ اس کا اجر مل جائے، حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جب مصیبتوں پر صبر کا اجر ملنا شروع ہوگا تو آدمی یہ تمنا کرے گا کہ اے کاش! دنیا میں ہمیں اور زیادہ تکلیف ہوئی ہوتی، لیکن بعض مرتبہ تنبیہ کے لیے بھی انسان کے اوپر مصیبتیں آتی ہیں، اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ تم غلط کر رہے ہو اور اس عمل سے تم کو بڑی مصیبت پیش آجائے گی، یعنی ہم تم کو اس کی وجہ سے بڑی سزا دیں گے۔

فرعون کے اوپر جو مصیبتیں آئیں وہ اس کی تنبیہ کی خاطر ہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف مصیبتیں بھیجیں، کبھی مینڈھک بڑھ گئے، وہ ہر جگہ کودتے نظر آرہے تھے، کھانے میں گھس جاتے اور کبھی پانی کے گلاس میں آجاتے، یہاں تک کہ لوگ بالکل عاجز آگئے تھے، اسی طرح خون بہت پھیل گیا تھا اور کھٹمل بہت بڑھ گئے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب عذاب کی شکلیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو چھوٹی چھوٹی مصیبتیں دی تھیں کہ ہوشیار ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ، مگر فرعون یہ کرتا تھا کہ جب بہت عاجز آجاتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتا تھا کہ تم اگر اپنے اللہ سے کہہ کر ہماری یہ مصیبت ٹال دو تو ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور وہ مصیبت ٹل جاتی تھی، لیکن فرعون کی اکڑ پھر بھی ویسی ہی رہتی تھی، اسی لیے دوبارہ مصیبت آجاتی تھی، غرض کہ اسی طرح مسلسل سات مصیبتیں آئیں، لیکن پھر بھی جب وہ نہ سمجھا تو عذاب الٰہی نے آپکڑا۔

جاری

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

خطرناک بات:

بہت سے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت کی ہے، یہ اور زیادہ خطرناک بات ہے، خواب کی زیارت اپنی جگہ، وہ برحق ہے، جس نے حضور کو دیکھا اس نے حضور ہی کو دیکھا، شیطان آپ کی مبارک صورت میں آ ہی نہیں سکتا، لیکن اگر کوئی بیداری میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے حضور کو دیکھا ہے یہ اور زیادہ خطرناک بات ہے، اس میں بڑا دھوکہ ہوتا ہے، اول تو بیداری میں جو اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں، ان کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، وہ ایک صورت متخیلہ ہوتی ہے، جس کا خیال اس قوت کے ساتھ دماغ کے اندر اتر آتا ہے کہ آدمی یہ سمجھ جاتا ہے کہ ہم نے ملاقات کی، زیارت کی، حالانکہ وہ صرف صورت متخیلہ ہوتی ہے، کچھ بھی نہیں ہوتا، تو اس میں آدمی دھوکہ میں پڑتا ہے اور اگر نہیں بھی پڑتا ہے تو اپنی بزرگی جتلانے کے لیے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتا ہے، اس لیے یہ بھی انتہائی خطرناک بات ہے۔

سبق آموز واقعہ:

دہلی میں ہمارے خسر صاحب کے ایک تعلق والے تھے، انہوں نے اپنا ایک عجیب واقعہ سنایا، وہ بدعتی ذہن کے تھے اور ہفتہ میں ایک دن اپنے گھر کی صفائی کرتے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر ہفتہ ان کے یہاں تشریف لاتے ہیں اور صرف سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہوں کہ آپ ﷺ تشریف لاتے ہیں، ان کے ساتھ انبیاء اور اولیاء ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا، انہیں اس پر پورا یقین تھا، کہنے لگے ایک دفعہ مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ ہمیشہ تشریف لاتے ہیں، میں کوئی تحفہ پیش نہیں کر پاتا، مجھے کوئی تحفہ پیش کرنا چاہیے، لہٰذا وہ سوچنے لگے کہ میں آپ کی خدمت میں کیا دے سکتا ہوں، تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں سورہ یاسین کا تحفہ پیش کروں، کہنے لگے میں نے سورہ یاسین پڑھنی شروع کی تو اس کا کچھ ہی حصہ تلاوت کیا تھا کہ مجھے عجیب سا لگا، میں جو سمجھتا تھا کہ میرے سامنے عرش ہے اور فرش ہے اور یہ حضرات اس پر تشریف فرما ہیں، میری آدھی سورہ یاسین ہی ہوئی تھی کہ مجھے ایسا لگا کہ وہ سب غائب ہو رہا ہے اور جن کو میں بزرگ سمجھتا تھا، انبیاء اور اولیاء سمجھتا تھا، دائیں بائیں سے ایک ایک کر کے وہ سب غائب ہونا شروع ہو گئے، مجھے بڑا عجیب سا لگا لیکن میں پڑھتا رہا، کہتے ہیں جب میں نے سورہ یاسین مکمل کی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں جس کے بارے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ اللہ کے نبی ﷺ ہیں، اپنی آنکھوں سے میں یہ یقین کرتا تھا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں اور ان کی زیارت کر رہا ہوں، وہاں پر مجھے ایک عجیب سی شکل نظر آئی۔

احتیاط کی ضرورت:

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ایسے ایسے دھوکے ہوتے ہیں کہ آدمی سمجھتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حالانکہ یہ ایسی حقیقتیں ہیں کہ آدمی ان کو جانتا نہیں اور دھوکہ کھاتا ہے، اس لیے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، آدمی کی آنکھوں نے جو نہیں دیکھا وہ لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے اور اپنی آنکھوں کو نہ دکھائے، دکھانے کا مسئلہ یہ ہے کہ وہی صورت متخیلہ ہے جو دیکھ نہیں رہا ہے وہ دکھا رہا ہے، اس زور سے اس کا تصور دماغ میں لا رہا ہے کہ سوچتے سوچتے وہ سمجھنے لگا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں، حالانکہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہے، تو یہ دھوکے ہیں، ان میں پڑنا درست نہیں، لیکن بہت سے لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور بزرگی کے قائل ہو جاتے ہیں،

حالانکہ یہ فریب ہے، ان چکروں میں پڑنا نہیں چاہیے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

بدترین خیانت:

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أُسَيْدِ الْحَضْرَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثاً هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ. (سنن أبی داؤد: ٤٩٧٣)

(حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدترین خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کرو جس میں وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو، حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔)

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو اور وہ تم پر اعتماد کر کے تمہیں سچا سمجھ رہا ہو، حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو، تو یہ انتہائی خیانت کی بات ہے، عام طور پر یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن پر سماج کو اعتماد ہوتا ہے، لوگ ان کو بڑا سمجھتے ہیں، دیندار سمجھتے ہیں اور ان کی باتوں کو وہ سچ جانتے ہیں، لیکن خود ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ غلط باتیں بیان کرتے ہیں اور اس کے بھی کچھ مقاصد ہوتے ہیں، مثلاً: اپنی بڑائی جتانے کے لیے، اپنی بزرگی کے مظاہرہ کے لیے، یا کبھی کسی ظاہری مادی منفعت کے لیے، لوگوں کا یہ عجیب وغریب مادی مزاج ہوتا ہے، جو لوگ دیندار نظر آتے ہیں، کبھی کبھی ان کا بھی یہ مادی مزاج ہوتا ہے، اسی لیے تنہا ظاہری دینداری کافی نہیں، بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آدمی کتنا سچ بولتا ہے، لہٰذا کسی کی ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر، اس کی باتوں سے متاثر ہو کر، کوئی شخص اعلیٰ قسم کی تقریر کر رہا ہے، کوئی دعا میں رلا رہا ہے اور رو رہا ہے، یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو بزرگی اور سچائی کی کوئی علامت نہیں ہیں، سچائی کی جو علامت ہے وہ اللہ کے نبی ﷺ کی پیروی ہے، یہ دیکھنا چاہیے کہ سنتوں کا اہتمام کتنا زیادہ ہے اور اس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ زبان کی کتنی احتیاط ہے، اس کا کتنا صحیح استعمال ہے اور کتنا غلط استعمال ہے، یہ بات ایسی ہے کہ ایک علامت کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے، جانچی جاسکتی ہے اور اس کے بغیر دیکھے آدمی کسی چیز پر متاثر ہو جائے تو اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔

دھرا گناہ:

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ بڑی خیانت کی بات ہے کہ بے چارہ ایک شخص تمہیں اچھا سمجھ رہا ہے، سچا سمجھ رہا ہے اور تمہاری بات پر یقین کر رہا ہے، مگر تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس کو جھوٹ باتیں بتا رہے ہو، اس کو فریب میں رکھ رہے ہو، دھوکہ دے رہے ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو مادی منفعت کے لیے بھی ہوتی ہیں، بے چارہ کوئی کاروباری آدمی آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے اس نیت سے آیا کہ یہ تو سچے آدمی ہیں، جھوٹ نہیں بولتے، آکر وہ پوچھ رہا ہے کہ فلاں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اب اس کے متعلق آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ دھوکہ باز ہے، لیکن پھر بھی آپ نے اس کی بڑی تعریف کر دی کہ وہ بہت اچھا اور صاف ستھرا آدمی ہے، معاملہ صحیح کرتا ہے، تم جا کر اس سے اپنا معاملہ کر لو اور تمہارے دل میں یہ چھپا ہے کہ جب اس کا معاملہ ہوگا تو کچھ فائدہ اس کو ہوگا اور ہمارا بھی کچھ کمیشن ہو جائے گا، کیونکہ آج کل کمیشن پر بھی کام ہوتے ہیں۔ بہر حال کسی بھی نفع کے لیے، چاہے عزت کا فائدہ نظر آتا ہو، چاہے مادی دنیا کا فائدہ نظر آتا ہو، اگر اس طرح کوئی کرتا ہے تو انتہائی خطرناک بات ہے، یہ صرف جھوٹ نہیں ہے بلکہ خیانت ہے، خیانت اس لیے ہے کہ وہ بے چارہ تمہیں امین سمجھ رہا ہے، امانت دار سمجھ کر بات کر رہا ہے اور تم اس کے ساتھ گفتگو میں خیانت کر رہے ہو، گویا اس کو دھوکہ دے رہے ہو، وہ تمہاری بات پر یقین کر کے کسی سے معاملہ کرنا چاہتا ہے، یا تم ہی کو بزرگ سمجھ کر وہ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے اور تم اس کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہو، تو یہ ایک بڑی خیانت کی بات ہے، تنہا صرف جھوٹ نہیں ہے۔

صدقہ فطر کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

صدقہ فطر اس صدقہ کا نام ہے جو عید الفطر کے دن نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے، اس کا ادا کرنا واجب ہے، زکوٰۃ کی طرح فرض نہیں ہے، لیکن احادیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ فطر مسلمان غلام آزاد مرد عورت اور چھوٹے بڑے پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمائی اور اس کے بارے میں حکم دیا کہ لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دی جائے۔

(بخاری:۵۰۳، مسلم:۹۸۴)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان المبارک کے آخر میں ارشاد فرمایا: ''تم لوگ اپنے روزے کا صدقہ نکالو، آنحضور ﷺ نے یہ صدقہ کھجور یا جو سے ایک صاع اور گیہوں سے نصف صاع ہر آزاد غلام مرد عورت اور چھوٹے بڑے پر مقرر فرمایا ہے۔''

(نسائی:۱۵۸۰، ابوداؤد:۱۶۲۲، واللفظ عن المشکوٰۃ:۱/۱۶۰)

اور اس صدقہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے آپ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا: ایک تو یہ کہ روزے میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس صدقہ سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے اور دوسری یہ کہ اس سے غریب اور نادار لوگوں کو بھی کھانے پہننے کا سامان مہیا ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صدقہ فطر کو روزہ دار کو لغو اور بے حیائی سے پاک کرنے اور مسکینوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔''

(ابوداؤد:۱۶۰۹، ابن ماجہ:۱۸۲۷)

صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟

صدقہ فطر بھی عبادات میں سے ہے، لہٰذا اس کے وجوب کے لیے بھی مسلمان ہونا شرط ہے، کافر پر واجب نہیں ہے، اسی طرح اس کے لیے آزاد ہونا شرط ہے، غلام پر واجب نہیں ہے، البتہ اس کے لیے عاقل بالغ ہونے کی شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر یہ صاحب نصاب ہوں تو ان کے مال سے صدقہ فطر نکالا جائے گا، اسی طرح صدقہ فطر کے وجوب کے لیے روزہ دار ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی روزہ نہیں بھی رکھتا ہے تب بھی اگر وہ صاحب نصاب ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہو جائے گا، البتہ صدقہ فطر صرف صاحب نصاب پر واجب ہوتا ہے۔ (ہندیہ:۱/۱۹۱، بدائع:۲/۱۹۸)

صدقہ فطر کا صاحب نصاب:

صدقہ فطر صرف اس پر واجب ہوتا ہے جو شرعی اعتبار سے مالدار ہو اور شرعی طور سے مالدار وہ ہے جو صاحب نصاب ہو، یعنی حوائج اصلیہ کے علاوہ ۶۱۲/۳۶ گرام (چھ سو بارہ گرام ۳۶ ملی گرام) چاندی یا ۴۸/۸۷ (ستاسی گرام ۴۸ ملی گرام) سونے یا ان دونوں میں سے کسی کے بقدر روپئے یا سامان تجارت کا مالک ہو، یہی زکوٰۃ کا بھی نصاب ہے، لیکن صدقہ فطر اور زکوٰۃ کے نصاب میں دو بنیادی فرق ہیں، ایک تو یہ کہ صدقہ فطر میں مال پر سال گزرنا شرط نہیں ہے، زکوٰۃ میں شرط ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے، یعنی یا سونا چاندی ہو یا مال تجارت ہو، جب کہ صدقہ فطر میں یہ شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس صرف ایک مکان رہنے کے لیے ہے تو وہ خواہ کتنا ہی قیمتی ہو اس پر نہ زکوٰۃ واجب ہوگی نہ صدقہ فطر، اس لیے کہ وہ حاجت اصلیہ میں شامل ہے، لیکن اگر اس مکان کے علاوہ دوسرا مکان بھی ہے جس کو کرایہ پر اٹھا رکھا ہے یا ایسے ہی چھوڑ رکھا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اس

لیے کہ اس میں نمو اور بڑھوتری نہیں ہے، لیکن اگر وہ نصاب تک پہنچ رہا ہے تو اس کے سبب صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔

یہاں صدقہ فطر کا جو نصاب بتایا گیا ہے یہی قربانی کے وجوب کا بھی نصاب ہے اور اسی نصاب کا مالک ہونے پر زکوٰۃ وصدقات لینا حرام ہو جاتا ہے اور رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔

(شامی:۲/۷۹)

وجوب فطرہ کا وقت:

فطرہ کے وجوب کا وقت عید الفطر کے دن طلوع فجر کا وقت ہے، چنانچہ اگر سورج نکلنے سے پہلے پہلے بچہ پیدا ہوا تو اس کا صدقہ فطر واجب ہو جائے گا اور اگر سورج نکلنے کے بعد پیدا ہوا تو واجب نہیں ہوگا اور اگر کسی کا انتقال طلوع فجر سے پہلے ہو جائے تو اس کا صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا اور اگر طلوع فجر کے بعد انتقال ہوا تو واجب ہو جائے گا۔ (بدائع:۲/۲۰۶)

مستحب وقت:

مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن نماز عید کے لیے جانے سے پہلے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ عید الفطر کے دن نماز کے لیے جانے سے پہلے زکوٰۃ (صدقہ فطر) نکالنے کا حکم دیتے تھے۔

(ترمذی:۶۷۷، وکذا فی البخاری:۱۵۰۳، ومسلم:۹۸۵)

اور عید کے دن کے پہلے پہلے رمضان المبارک کے اندر فطرہ نکال دینا بھی جائز ہے، بلکہ اس اعتبار سے بہتر ہے کہ محتاج عید آنے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کر لے گا، لیکن کیا رمضان سے پہلے بھی صدقہ فطر ادا کیا جا سکتا ہے؟ ایک قول اس کے جواز کا بھی ہے، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ رمضان سے پہلے نہ نکالے اور اگر عید الفطر کو ادائیگی نہیں کی تو وجوب ساقط نہیں ہوگا، بعد میں بھی نکالنا واجب ہی رہے گا۔

(ہندیہ:۱/۱۹۲، شامی:۲/۹۵، بدائع:۲/۲۰۷)

صدقہ فطر کی مقدار:

اگر گیہوں سے ادائیگی کرنی ہے تو آدھا صاع نکالا جائے گا، لیکن اگر جو کھجور یا کشمش سے نکالنا ہے تو پورا ایک صاع نکالنا ہوگا، نصف صاع ۱/کلو ۶۳۳ گرام کے بقدر ہوتا ہے، لیکن ذہن میں رہے کہ صاع کی مقدار کے سلسلہ میں اور اقوال بھی ہیں۔ (ہندیہ:۱/۱۹۲)

کس کی طرف سے نکالنا ہے؟

اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو تو اس کو اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں بچیوں کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب ہے، اگر اولاد بالغ ہے لیکن مجنون یا کم عقل ہے تو اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا واجب ہوگا اور اگر نابالغ یا مجنون اولاد خود مالدار ہو تو باپ ان کے مال سے ان کا صدقہ فطر نکالے گا، اولاد عاقل بالغ ہو تو اس کا صدقہ فطر نکالنا باپ پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر یہ اس کے ساتھ ہی رہتے ہوں اور اسی کی کفالت میں ہوں تو ان کی طرف سے بلا اجازت بھی نکال دے تو ادا ہو جائے گا، بیوی کی طرف سے نکالنا بھی شوہر پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر نکال دے تو ادا ہو جائے گا۔

(ہندیہ:۱/۱۹۲)

کسی اور جنس سے فطرہ دینا:

اگر مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز سے فطرہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، لیکن کسی اور چیز سے دینا ہو تو ان منصوص چیزوں میں سے کسی کی بازاری قیمت کے اعتبار سے دینا ہوگا، یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور کشمش کی جو قیمت ہو، اس کے اعتبار سے رقم یا چاول یا کوئی اور چیز دی جائے۔ (شامی:۲/۸۳)

صاحب حیثیت لوگوں کو مشورہ:

اوپر فطرہ کی جو مقدار بتائی گئی اس کے مطابق صدقہ فطر ادا کیا جائے تو ادائیگی ہو جائے گی، لیکن نصف صاع گیہوں کی قیمت آج کل بہت کم ہوتی ہے، اس لیے اگر اللہ نے کسی کو وسعت دے رکھی ہے تو وہ گیہوں کے بجائے .....(باقی صفحہ ۱۲ پر)

عبدالسبحان ناخداندوی

رسول اکرم ﷺ نے جب دین کی دعوت پیش فرمائی تو تمام اہل مذاہب نے اس دعوت کو اپنے لیے خطرہ سمجھا اور آپ کے لائے ہوئے دین کو ایک نیا ایجاد کردہ دین سمجھا، بعض لوگوں کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ شاید یہ کسی کو اٹھانے اور کسی کو گرانے کی سازش ہے، لوگ طرح طرح کے اندازے لگانے لگے، خود اللہ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾ (بلاشبہ تم لوگ مختلف باتوں میں پڑ گئے ہو)

مشرکین یہ کہتے ہوئے اٹھے:

﴿أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ☆مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ﴾ (چلو چلو اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ، اس دعوت میں کوئی غرض پوشیدہ معلوم ہوتی ہے، ہم نے ایسی بات کسی اور ملت میں نہیں سنی، یہ تو بس ایک من گڑھت بات معلوم ہوتی ہے)

یہود نے کہا: ﴿قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾ (ہمارے دل محفوظ ہیں) یعنی ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور نصاریٰ نے بھی کٹ حجتی کی۔

لیکن اس مبارک دعوت کے متعلق قرآن مجید میں یہ اعلان عام کروادیا گیا کہ یہ دعوت کسی کو گرانے یا اٹھانے کے لیے نہیں ہے، یہ کسی سے مقابلہ کے لیے بھی نہیں ہے، یہ ایک پیغام حق ہے، یہ تمام انبیاء کی صدا ہے جو صوت محمدی کی شکل میں بلند کی جارہی ہے، یہ ہر نبی کے پیغام کی تائید کے لیے لگائی جانے والی صدا ہے، ایمان ہمارا ابراہیم سے لے کر عیسیٰ مسیح تک سب پر ہے، کسی کے درمیان نبوت ورسالت میں فرق کے ہم قائل نہیں، یہ ایک صاف حقیقت ہے، جسے ماننے کی تمہیں دعوت دی جارہی ہے، تمام انبیاء، ان کی تعلیمات، ان کی کتابیں سب برحق اور سب سر آنکھوں پر ہیں اور ان ہی کی تعلیمات کا خلاصہ اس مبارک دعوت میں موجود ہے، پھر لڑائی کس بات کی، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (البقرة: ١٣٦)

(کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ ابراہیم واسماعیل، اسحاق ویعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا سب پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح تمام انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے جو کچھ ملا سب پر ایمان رکھتے ہیں، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے پورے پورے فرمانبردار ہیں)

اس مبارک دعوت کو قبول کرنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہوئی کہ آپ ﷺ کی شریعت نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کردیا تھا اور اسے یہود ونصاریٰ نے اپنی اپنی شریعت کی توہین سمجھ لیا، اس آیت میں اس کا بھی جواب ہے کہ محمد ﷺ شریعت کو شریعت سے ٹکرانے کے لیے نہیں آئے، نہ کتاب کو کتاب سے لڑانے کے لیے تشریف لائے ہیں، آپؐ اللہ کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی شریعت کا مسوخ کیا جانا اس کی توہین نہیں، بلکہ اللہ کی حکمت ہے، اللہ اپنی کسی کتاب کو یا شریعت کو منسوخ کرکے کوئی دوسری کتاب اور شریعت نازل کرے تو اس سے سابقہ کتاب اور شریعت کے تقدس پر کوئی حرف نہیں آتا، اللہ کی اتاری ہوئی ہر کتاب لائق صد ہزار تکریم اور اس کی جاری کردہ ہر شریعت ہزار دفعہ سر آنکھوں پر، اس لیے اللہ نے جس نبی پر جس وقت جو بھی اتارا، موسیٰ وعیسیٰ کو جو کچھ نصیب ہوا، ہر ہر نبی کو اس دربار سے جو بھی عطا ہوا، ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور دل کھول کر اسے سراہتے ہیں، ہم کسی نبی میں تفریق نہیں کرتے، البتہ ہماری پوری پوری فرمانبرداری اللہ کے لیے ہے، ہم اللہ کی جاری کردہ تمام شریعتوں کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے اس آخری شریعت کو اپنے لیے دائمی راہ نجات تصور کرتے ہیں، اس لیے

کہ اللہ کی مرضی یہی ہے کہ اس کی یہ شریعت تا ابد جاری ہوجائے، اس میں مقابلہ آرائی کا کیا سوال! یہ تو حکم الٰہی کی سچی تابعداری ہے، یہ اس پوری آیت کے مطالبہ کا خلاصہ ہے جس نے ہر چیز کو انتہائی صاف صاف واضح کردیا، اس کے بعد اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ اے مؤمنو! تمہاری طرح یہ بھی ویسے ہی ایمان لائیں تو ان کے ہدایت یافتہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اگر اس قدر صاف بات سن کر بھی یہ منہ پھیریں تو سمجھ لو کہ یہ تم سے اپنی (خود ساختہ) دشمنی نکالنا چاہ رہے ہیں، تو ان سب سے نمٹنے کے لیے آپ کے واسطے اللہ کافی ہے، وہ سب سن رہا ہے جان رہا ہے۔

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرۃ: ۱۳۷) (اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہیں، اگر وہ اعراض کریں تو آپ کے لیے اللہ ان کے مقابلہ میں کافی ہوگا، وہ خوب سنتا خوب جانتا ہے)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ کو من چاہا ایمان مطلوب نہیں، بلکہ اس نے ایمان کا جو طریقہ بتایا ہے اسی کے مطابق ایمان رکھا جائے، قرآن کی یہ آیت ان لوگوں کی بھی تردید کرتی ہے جو مذہب کو پرائیویٹ معاملہ بتا کر اپنی خواہش کے لحاظ سے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، ایسا ایمان غیر معتبر ہے، اگر یہ چیز درست ہوتی تو پھر انبیاء کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اللہ کو ماننا ضروری ہے اور اللہ کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جس طرح اس نے اپنے آپ کو منوانا چاہا ہے، اس معاملہ میں لوگوں نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں، خاص طور پر آزاد خیال لوگ پتہ نہیں کن کن وادیوں میں بھٹکتے نظر آتے ہیں۔

دوسری طرف اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیاری ایمان تھا جو ایمان کے تمام تقاضوں پر پورا اترتا تھا، اللہ نے تمام مسلمانوں سے ویسا ہی ایمان چاہا ہے، صحابہ کی فضیلت اس آیت سے بھی ثابت ہورہی ہے۔

بقیہ: صدقہ فطر کے چند مسائل

.....اگر کھجور یا کشمش سے نکالے، یا درمیانی حیثیت ہے تو جو سے نکالے تو اس میں انشاء اللہ زیادہ ثواب ہوگا، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو مقدار بتائی گئی ہے، اس سے کم نہ ہونا چاہیے، لیکن اس سے بڑھا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی لیے حضرت علیؓ نے گیہوں سے بھی ایک صاع نکالنے کا مشورہ دیا تھا۔

(ابوداؤد: ۱۶۲۲، نسائی: ۲۵۱۵)

صدقہ فطر کا مصرف:

صدقہ فطر کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔

(ہندیہ: ۱/۱۹۴، شامی: ۲/۸۶)

لہٰذا اس کو مسجد وغیرہ کی تعمیر میں لگانا یا اس سے تنخواہ وغیرہ ادا کرنا درست نہیں ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ ایک شخص کا صدقہ فطر ایک محتاج کو دیا جائے، ایک شخص کا صدقہ فطر کئی فقراء پر تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ کئی لوگوں کا صدقہ فطر ایک فقیر کو دیا جاسکتا ہے۔

(شامی: ۲/۸۵)

صدقہ فطر کے متفرق مسائل:

(۱) زکوٰۃ ہی کی طرح فطرہ بھی سادات کو دینا ناجائز ہے۔

(ہندیہ: ۱/۱۸۹)

(۲) صدقہ فطر کا فر محتاج کو دینے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ مسلمان کو دیا جائے۔ (شامی: ۲/۸۶)

(۳) اگر کوئی شخص سعودیہ یا امریکہ وغیرہ میں مقیم ہو اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا فطرہ ہندوستان میں قیمت سے ادا کیا جائے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس صورت میں ہندوستان کی قیمت کے بجائے جہاں وہ مقیم ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

(الولوالجیہ: ۱/۲۴۴)

(۴) اسی طرح اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں ہے تو وہ جہاں ہو وہاں کی قیمت کے اعتبار سے صدقہ نکالے گا۔ (ایضاً)

Capitalism
(سرمایہ دارانہ نظام)

سید محمد مکی حسنی ندوی

"Capitalism:an economic system in which a country's businesses and industry are controlled and run for profit by private owners rather than by the government."

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق: سرمایہ دارانہ نظام وہ معاشی نظام ہے جس میں اشیاء کی پیداوار اور تقسیم حکومت کے بجائے نجی سرمایہ کاری اور نفع اندوزی پر مبنی ہوتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مالکان کا پیداوار کے وسائل اور اس کی آمدنی پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے، اس نظام میں منافع کمانے کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی۔ آمدنی کی زیادتی کمپنی کو مضبوط کرتی ہے اور مضبوط کمپنی کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کی دُھن ہوتی ہے۔

کمپنی کی ملکیت ذاتی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی، اجتماعی ملکیت کو کارپوریشن (Corporation) کہا جاتا ہے، اس میں شیئر ہولڈرز (Share Holders) مالکان ہوتے ہیں، ایک شیئر ہولڈر کا کمپنی پر کتنا کنٹرول ہوتا ہے، یہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کتنے فیصد شیئر یعنی حصص کا مالک ہے، یہ شیئر ہولڈرز بورڈ آف ڈائریکٹرز (Board of Directors) کا انتخاب کرتے ہیں اور کمپنی کے انتظام کے لیے اعلیٰ سطح کے ایگزیکٹوز کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔

سرمایہ داری کی کامیابی کا تعلق آزاد منڈی سے ہوتا ہے، جہاں طلب اور رسد کے قانون (Law of Demand & Supply) کے مطابق سامان اور خدمات کی تقسیم ہوتی ہے، طلب کے ضابطے کے اعتبار سے جب کسی سامان کی مانگ بڑھتی ہے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، جب مقابلہ کرنے والے (Competitors) یہ سمجھتے ہیں کہ وہ زیادہ منافع کما سکتے ہیں، تو وہ پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں، زیادہ فراہمی (Supply) قیمتوں کو اس سطح تک کم کردیتی ہے جہاں صرف مالدار حریف باقی رہ جاتے ہیں۔

سرمایہ داری کی ترقی اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ کام کرنے والوں کا رہنے کھانے کا خرچ کم ہو اور ماحول کام کرنے کے لیے خوش گوار ہو، ورنہ جہاں منافع کم حاصل ہونے کا خطرہ ہو یا کام نہ کر پانے کا خوف ہو، ایسی جگہوں پر سرمایہ دارانہ صنعتیں باقی نہیں رہ پاتیں، خاص طور پر ایسے علاقے جہاں جنگیں یا لڑائیاں جاری رہتی ہیں جیسے ساؤتھ افریقہ اور ساؤتھ امریکہ کے کچھ ممالک۔

یورپ کی تاریخ میں سولہویں صدی اس طور پر اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں یورپ تاریخ کے سب سے بڑے وبائی مرض ''سیاہ طاعون'' میں گرفتار ہوا، اس مرض میں یورپ کی تقریباً دو تہائی آبادی موت کے گھاٹ اتر گئی، اس وبا کی سنگینی کا اندازہ اس طور پر بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اثرات مشرق وسطی، چین اور ہندوستان پر بھی نمایاں طور پر پڑے اور عمومی تباہی میں کم از کم سات کروڑ پچاس لاکھ افراد ہلاک ہوئے، انسانی جان کی اس قدر تباہی کی وجہ سے اس وبا کو ''سیاہ موت'' (Black Death) بھی کہا جاتا ہے، اس عظیم تباہی کے بعد یورپ میں تاجروں کی ایک نئی جماعت وجود میں آئی جس نے بیرونی ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات شروع کیے، برآمدات کی اس نئی طلب نے مقامی معیشت کو خاصا نقصان پہنچایا، جس کا سیدھا اثر سامان کی مجموعی پیداوار اور قیمتوں کے تعین پر پڑا، یہیں سے سرامایہ داری کے نظریہ کی بنیاد پڑی جسے سے مغربی استعمار نے خوب فائدہ اٹھایا۔

سیاہ موت کے بعد یورپ میں جس معاشی انقلاب نے دستک دی' اٹھارویں صدی تک اس کی بازگشت پورے یورپ میں سنائی دینے لگی، اور خاص کر برطانیہ ایک صنعتی ملک میں تبدیل ہوگیا، پھر وہاں کے دھواں دار کارخانوں اور آتش گیر ٹیکسٹائل ملوں کے اندر سے سرمایہ داری کا جدید نظریہ سامنے آیا۔

1776ء میں سکاٹ لینڈ کے ماہر معاشیات ایڈم اسمتھ (Adam Smith) نے "An Inquiry into the Nature and

"Causes of the Wealth of Nations" کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا، اسی مقالہ کی بنیادوں پر جدید سرمایہ داری کی عمارت کھڑی ہے، اسمتھ کے چند اصولوں سے ماہرین کے اختلافات کے باوجود اسمتھ کو ہی ''بابائے سرمایہ داری'' کہا جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں سپلائی والے یعنی صنعتی لوگ' سب سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے مقابلہ کرتے ہیں، وہ اپنی قیمتوں کو ہر ممکن حد تک کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنے سامان کو سب سے زیادہ ممکنہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، مسابقت کا سلسلہ قیمتوں کو اعتدال اور پیداوار کو مؤثر رکھتی ہے، حالانکہ یہ مزدوروں کے استحصال اور خراب صورتحال کا باعث بنتی ہے، خاص طور پر ان ممالک میں جہاں مزدور کے سخت قوانین نہیں ہیں۔

سرمایہ داری کا جدید نظام حکومت کی عدم مداخلت پر قائم ہے یعنی اصول کے مطابق حکومت کو سرمایہ داری کے ہر معاملہ سے ہاتھ نکال لینا چاہیے اور صرف انصاف کو برقرار رکھنے کے لیے مداخلت کرنی چاہیے جسے اصطلاحی طور پر Laissez-faire کہتے ہیں، یعنی حکومت کا کردار صرف اتنا باقی رہے کہ آزاد منڈی کو اجارہ داروں یا امرائے شاہی سے تحفظ فراہم کرے اور انصاف کو قائم رکھے۔ چونکہ حکومت ملک کے بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کے لیے سرمایہ دارانہ منافع اور آمدنی پر ٹیکس لگاتی ہے، اس ناحیہ سے مارکیٹ کی حفاظت ایک قومی ذمہ داری ہے، پھر اس سے بین الاقوامی تجارت بھی آسان ہو جاتی ہے

سرمایہ داری کے فوائد اس شکل میں ظاہر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو بہترین قیمتوں میں بہترین مصنوعات فراہم ہوتی ہیں اور پھر قیمتیں کاروباری مسابقت کی وجہ سے کم بھی ہوتی ہیں، حالانکہ تجارت میں لوگ اپنی خواہش کی چیز کو پانے کے لیے زیادہ سے زیادہ قیمت کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔

اقتصادی ترقی میں سب سے اہم رول سرمایہ داری کی جدت طرازی (Innovation) ہے، جس میں نئی مصنوعات اور زیادہ مؤثر صنعتی طریقے شامل ہیں۔ ایپل کمپیوٹر کمپنی کا مالک سٹیو جابس (Steve Jobs) صارفین کی طلب کو پورا کرنے میں اول رہنے کے متعلق کہتا ہے: ''آپ ہرگز یہ نہیں کر سکتے کہ صارفین سے پہلے پوچھیں کہ انہیں کیا چاہیے پھر اس چیز کو بنا کر دیں، کیونکہ جب اس کو بنا چکے ہوں گے، صارفین کو کچھ اور ہی چاہیے ہوگا۔''

آزاد اور منصفانہ منڈی کا تصور اور منصوبہ کے باوجود سرمایہ داری' مواقع کی مساوات کو فروغ نہیں دیتی، جن لوگوں کو اچھی غذائیت، تعاون اور تعلیم نہ ملی ہو، ایسے لوگ کبھی منڈی کا منہ بھی نہیں دیکھ پاتے اور معاشرہ ان غریب لوگوں کی قابلیت اور کام کرنے کی صلاحیت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور اگر کسی درجہ میں ان کو کام مل بھی جاتا ہے تو صلاحیت سے کم اجرت، ترقی کے محدود امکانات اور ممکنہ طور پر غیر محفوظ کام کرنے کے حالات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

عدم مساوات سرمایہ داروں کے لیے بہترین مفاد ثابت ہوتا ہے، عدم مساوات کی وجہ سے مسابقاتی خطرات بھی کم ہوتے ہیں اور پھر اپنی طاقت کے استعمال سے مسابقت میں نئے داخلے پر رکاوٹیں پیدا کر کے نظام میں دھاندھلی کرتے ہیں۔

سرمایہ داروں کی پشت پر عام طور پر سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں جو چندہ کے عنوان سے بھاری قیمت وصول کرتی ہیں، اس کے بدلہ میں یہ سیاسی پارٹیاں ملک میں ایسی اقتصادی پالیسی کی حمایت کرتی ہیں جن سے ان کی صنعتوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اور ان کی مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس نظام کا بنیادی نقصان یہ ہے کہ اس سے وہی لوگ مستفیض ہوتے ہیں جو پہلے ہی سے مالدار ہوں اور معاشی طاقت رکھتے ہوں۔ اس نظام میں غریب یا مسابقہ کی عدم صلاحیت رکھنے والے کے لیے جگہ نہیں ہوتی ہے، جیسے بوڑھے، بچے، ترقی سے معذور اور دیکھ بھال کرنے والے، گویا اس نظام کے ذریعہ مالدار کی مالداری میں اور غریب کی غربت میں اضافہ ہوتا ہے، ایسی لیے حکومت کی ایسی پالیسیوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے جو اس امیر و غریب کے مابین قائم ہوتی خلیج کو پاٹ سکیں۔

مولانا علی میاںؒ کا اشتغالِ حدیث

محمد ارمغان بدایونی ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو حدیث کا ذوق وراثت میں عطا ہوا تھا، ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کا شمار نامور محدثین میں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا کا ذاتی کتب خانہ حدیث کی نایاب ومنتخب تالیفات کا ایک بہترین مجموعہ تھا، جس میں خاندانی بزرگوں کے نادر ووقیع قلمی مسودات موجود تھے اور محدثین عظام کی شہرۂ آفاق تصنیفات بھی، اسی لیے سن شعور سے بلند پایہ محدثین کی تالیفات حضرت مولاناؒ کے زیر مطالعہ رہیں، جن میں حافظ منذریؒ کی کتاب ''الترغیب والترہیب''، حافظ ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' اور محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب ''قیام اللیل'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عنفوان شباب میں ان بیش قیمت کتب کے مطالعہ نے مولاناؒ کے اندر محض حدیث کا ذوق ہی پیدا نہیں کیا بلکہ اصلاح باطن وتزکیہ نفس کے باب میں ایک روحانی مرشد کا بھی کام کیا، مطالعہ حدیث کی سرگزشت میں حضرت مولاناؒ کا خود یہ اعتراف ہے:

''ابتدائے شباب میں اس طرح کی کتابیں جن میں مؤثر واقعات اور روایات اور جن سے عبادت کا ذوق پیدا ہو ایک مرشد کا کام دیتی ہیں۔'' (میری علمی ومطالعاتی زندگی: ۱۵)

حضرت مولاناؒ کی تشکیل سیرت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہیں مخلوط نصاب تعلیم پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے ہر فن کی تعلیم علیحدہ علیحدہ اور حسب ذوق حاصل کی، مولانا کا حدیث سے باقاعدہ پہلا تعارف صحیح مسلم کی ''کتاب الجہاد'' سے ہوا، جو انہوں نے اپنے محبوب استاد شیخ خلیل بن محمد عربؒ سے تفسیر کے اسباق اور عربی ادب کے ساتھ ساتھ پڑھی تھی، پھر ۱۹۲۹ء میں مولاناؒ نے تفسیر، عربی ادب اور نحو وصرف کی بنیادی تعلیم کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں مکمل دو سال باضابطہ تحصیل حدیث ہی میں وقف کیے، اس زمانہ میں آپ نے مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ کی صحبت کو لازم پکڑا جو حضرت مولاناؒ کے والد ماجد کے ہم درس اور جلیل القدر محدث شیخ حسین بن محسن انصاریؒ یمانی کے شاگرد رشید تھے، اس زمانہ میں حضرت مولاناؒ نے ان کے محدثانہ ومحققانہ مزاج سے خوب استفادہ کیا، وہ اپنے مطالعہ حدیث کی سرگزشت میں رقم طراز ہیں:

''میں نے مولانا سے دار العلوم میں صحیحین (بخاری ومسلم) اور ابوداؤد، ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی، میری حدیث کی تعلیم سرتاپا ان کی شفقت اور مہارت فن کی رہین منت ہے۔'' (کاروان زندگی: ۱/۱۱۱)

حضرت مولاناؒ نے حدیث سے اشتغال کے لیے مکمل دو سال اپنے استاذ کے کمرہ میں گویا اعتکاف کرلیا تھا اور اپنے شب وروز وہیں گزارے، اس زمانہ میں وہ اپنے استاد کے کتب خانہ کے مہتمم اور ان کے مسودات کے ناقل ومرتب بن گئے تھے، اگر مولانا حیدر حسن خاںؒ صاحب کو رجال کی کتابوں سے رجوع کی ضرورت پیش آتی تو حضرت مولاناؒ ہی بحث وتحقیق کے بعد وہ مواد فراہم کرتے، اس کامل یکسوئی اور انہماک کا یہ فائدہ ہوا کہ مولاناؒ کو فن حدیث کی کتب اور محدثین کی تصنیفات سے براہ راست واقفیت حاصل ہوئی، نیز متونِ حدیث، رجال، فن جرح وتعدیل، اصول کی کتابوں اور شروح حدیث سے بھی گہری واقفیت ہوگئی، اس کا نتیجہ تھا کہ مولانا کا مطالعہ حدیث محض گنے بندھے مصنفین یا نصاب کی کتابوں تک محدود نہ رہا تھا اور نہ وہ کبھی کسی علمی یا درسی تعصب کا ہی شکار ہوئے، حضرت مولاناؒ کو اس طریق تدریس سے فطری اُنس تھا، وہ خود لکھتے ہیں:

''میں نے یہ طریقۂ درس کہیں اور نہیں دیکھا اور میرے خیال میں علمی حیثیت سے اس سے زیادہ مفید اور ترقی یافتہ طریقۂ درس نہیں ہے۔'' (میری علمی ومطالعاتی زندگی: ۱۵)

۱۹۳۲ء میں حضرت مولاناؒ اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے ایما پر چار ماہ کے لیے دیوبند تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے حلقۂ درس میں

زانوئے تلمذ تہ کیا اور بخاری وترمذی کے دروس میں خاص طور پر شرکت کی، لیکن مولاناؒ کو دیوبند کے قیام میں اصل نفع حضرت مدنیؒ کی ذات اور ان کے بلند اوصاف وکمالات سے پہنچا، حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:

''دارالعلوم کے چار ماہ کے قیام میں میری دل بستگی کا سامان اور میرے انس وعقیدت کا مرکز مولانا مدنی کی ذات تھی اور اصل مناسبت انہی سے تھی۔'' (کاروان زندگی: ۱/۱۳۰)

۱۹۳۴ء میں جب حضرت مولاناؒ کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد تقرر ہوا، تو تفسیر وادب کی کتابوں کے ساتھ حدیث کی بعض منتہی کتابیں بھی مولانا کے زیر تدریس رہیں، جن میں صحیح بخاری کی کتاب الایمان، کتاب الوحی، کتاب العلم اور ترمذی شریف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن اسفار کی کثرت اور نظر کی کمزوری کے سبب یہ مبارک سلسلہ جاری نہ رہ سکا، ورنہ خود حضرت مولاناؒ کا کہنا تھا کہ ان کتابوں کی تدریس میں میرا خوب جی لگا اور اندازہ ہوا کہ اگر مزید محنت کا موقع میسر آجائے تو میں بخاری شریف کا درس بحسن وخوبی دے سکتا ہوں، مولانا کے درس حدیث سے دارالعلوم کے طلبہ بھی حد درجہ مطمئن تھے، جسے دیکھ کر ان کے محبوب استاد مولانا حیدر حسن خاںؒ صاحب کو بہت خوشی ہوتی تھی، حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں:

''مولانا حیدر حسن خاںؒ ترمذی کے طلبہ سے ان کا تاثر دریافت کرتے رہتے، ایک مرتبہ انہوں نے طلبہ کے تاثرات معلوم کر کے اپنے اطمینان اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔'' (کاروان زندگی: ۱/۱۵۱)

علم حدیث سے عملی اشتغال کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا فیض قلم بھی خدمت حدیث میں ہمیشہ رواں رہا، انہوں نے ہندوستان کے نامور مصنفین کی کتابوں پر اپنے قلم گہربار سے ایسے وقیع مقدمات تحریر کیے جو بجائے خود ایک شاہکار ہیں، ان میں خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے حکم واصرار پر ان کی کتابوں کے لیے لکھے گئے مقدمے علم حدیث کی ایک بڑی خدمت ہے، جن میں فن حدیث کا تعارف، تاریخ تدوین حدیث پر بحث، کتاب کے امتیازات وخصوصیات اور صاحب کتاب کے اوصاف وکمالات، اس کی شروحات اور ہر دور میں اس کے ساتھ امت کا اعتنا ایسے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے جو حدیث کے طلبہ کے لیے خاصے کی چیز ہے۔

حضرت مولاناؒ نے ''مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی'' کے عنوان سے ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے، جس میں حدیث کی بنیادیں بیان کی ہیں اور صحاح ستہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، مبادیات تدوین حدیث کے ساتھ مطالعہ حدیث کے اصل مقصد کی طرف امت کے خواص وعوام کی توجہ بھی مبذول کرائی ہے، نیز متوازن طرز فکر کے ساتھ حجیت حدیث کی تشریح کی ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حدیث نبویؐ امت اسلامیہ کے لیے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لیے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب وتدوین، حفظ اور نشر واشاعت کے بغیر امت کا دینی وذہنی، عملی و اخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔'' (مبادی: ۲۰-۲۱)

۱۹۸۱ء میں رابطہ عالم اسلامی کی درخواست پر حضرت مولاناؒ نے ''اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار'' کے عنوان سے ایک علمی وفکری محاضرہ پیش کیا، جس میں مغربی مصنفین ومستشرقین سے متاثر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو سامنے رکھ کر حدیث کی عملی قیمت وافادیت ثابت کی گئی ہے اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر دور میں حدیث نبویؐ امت مسلمہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور اس سے رشتہ کا انقطاع خسارہ ومحرومی کی بات ہے، درج ذیل اقتباس مولانا کے انطباعاتِ خاطر کی کھلی دلیل ہے:

''جب تک حدیث کا ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج ومذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا۔'' (حدیث کا بنیادی کردار: ۴۹)

حضرت مولاناؒ کی زندگی پر قلبی واخلاقی حیثیت سے حدیث شریف کے جس حصہ نے سب سے زیادہ اثر ڈالا، ان میں بالخصوص

ترمذی کی 'کتاب الزہد والرقاق' اور ابو داؤد کی 'کتاب الادعیہ' نیز 'کتاب الایمان' اور 'کتاب العلم' ہے، جن کے متعلق خود حضرت مولاناؒ کے یہ الفاظ حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے لیے غور کا مقام رکھتے ہیں، وہ مطالعہ حدیث کی سرگزشت میں لکھتے ہیں:

''افسوس ہے کہ یہ ابواب ہمارے مدارس میں بہت رواروی اور سرسری طور پر پڑھائے جاتے ہیں، حالانکہ یہی ابواب سیرت کی تعمیر کا سب سے بڑا ذریعہ اور تربیت واصلاح کا سب سے مؤثر سامان ہے۔'' (میری علمی ومطالعاتی زندگی:۱۶)

حضرت مولاناؒ کی تحریر وتقریر دونوں ہی میں ان ابواب سے خصوصی اشتغال اور ان کی چھاپ یکساں طور پر نظر آتی ہے، ایک جگہ حضرت مولاناؒ نے حدیث "ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ" کے تحت برجستہ یہ بات فرمائی:

''قلب کے ساتھ دماغ کا مومن ہونا بھی ضروری ہے، تنہا اسلام کی محبت کافی نہیں، اس کے ساتھ خلافِ اسلام فلسفوں اور دعوتوں کی نفرت بھی لازمی ہے۔ ایمان کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی اور ایک مسلمان اس وقت تک حقیقی ایمان کا ذائقہ شناس نہیں ہوسکتا، جب تک اس کو کفر اور مظاہر کفر سے وحشت اور دہشت نہ ہو پیدا ہو۔'' (لسانی وتہذیبی جاہلیت کا المیہ:۱۷)

حضرت مولاناؒ کی متوازن طرز فکر کا خاصا تھا کہ وہ حدیث کے ذخیرہ سے ایسے نتائج مستنبط کرتے، جن کی طرف عموماً کم ہی لوگوں کی نگاہ جاتی ہے، حضرت مولانا کی شہرۂ آفاق تصنیف ''ارکان اربعہ'' میں جابجا احادیث سے استدلال اس بات کا بین ثبوت ہے، زکوٰۃ کے باب میں حضرت مولاناؒ نے حدیث "تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَىٰ فُقَرَائِهِمْ" کے تحت بڑی دلچسپ بات بیان کی ہے:

''جو ٹیکس موجودہ حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں، وہ زکوٰۃ کی عین ضد ہیں، یہ ٹیکس زیادہ تر متوسط طبقہ اور غرباء سے وصول کیے جاتے ہیں اور اغنیاء وامراء کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں، یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی اور مزدوروں، کاری گروں اور تاجروں پر لگائے ہوئے ٹیکس سے حاصل ہوتی ہے، بڑی سخاوت بلکہ بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ خرچ کردی جاتی ہے۔'' (:۱۵۸)

حضرت مولاناؒ احادیث میں مذکور مسنون دعاؤں کو بھی ایک الگ ہی زاویہ نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ماننا تھا کہ ادعیہ ماثورہ مستقل معجزات اور دلائل نبوت ہیں، جن میں نبوت کا نور، پیغمبر کا یقین اور عبد کامل کا نیاز ہے اور ان میں انسانی ضروریات کی جامع نمائندگی ہے، حضرت مولاناؒ کا مشہور رسالہ ''سیرت محمدیؐ دعاؤں کے آئینہ میں'' اس موضوع پر شاہکار ہے، اسی میں وہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''حدیث وسیرت کے دفتر میں آنحضرت ﷺ کی جو دعائیں منقول ہیں، ان پر نظر ڈالیے، کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی وکمزوری کا نقشہ کھینچنے کے لیے، اپنا فقر واحتیاج بیان کرنے کے لیے اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر، اس سے زیادہ دل آویز اور اس سے زیادہ جامع الفاظ لاسکتا ہے۔'' (:۲۰)

حضرتؒ کی سند حدیث براہ راست حرمین شریفین کے علماء تک پہنچتی ہے، آپ کو مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی اور مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوریؒ کے واسطہ سے یمنی وحجازی دونوں طریق سے اجازت حدیث حاصل تھی اور ان دونوں بزرگوں کو یمنی سلسلہ میں محدث جلیل شیخ حسین بن محسن انصاریؒ سے اجازت تھی اور ہندوستانی سلسلہ میں محدث عظیم میاں سید نذیر حسین دہلویؒ سے اجازت حاصل تھی۔

آخری عمر میں حضرت مولاناؒ کا حدیث سے اشتغال غایت درجہ بڑھ گیا تھا، مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دور دراز سے لوگ اجازت حدیث کے لیے حاضر ہوتے تھے، حجاز مقدس کے اسفار میں بھی وہاں کے بڑے بڑے علماء، حضرت مولاناؒ کی اجازت حدیث سے مشرف ہوتے تھے، جن میں محدث شام علامہ عبد الفتاح ابوغدہؒ اور محدث ہند مولانا یونس جونپوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولاناؒ کا عمر بھر یہ بھی معمول رہا کہ حدیث کی کوئی نہ کوئی کتاب ان کے زیر مطالعہ رہتی، وفات سے قبل یہ معمول بن گیا تھا کہ آپ بخاری کے دو صفحے روزانہ اپنے کسی عزیز سے ضرور سنتے تھے۔

روس یوکرین جنگ
منظر-پس منظر

محمد نفیس خاں ندوی

1917ء میں کمیونسٹ انقلاب (بالشویک) نے دنیا کی تاریخ بدل دی تھی، اس انقلاب کے بطن سے پندرہ مختلف جمہوریتوں پر مشتمل سوشلسٹ ریاست کا وجود ہوا جس میں تقریباً 100 قومیتوں کے لوگ شامل تھے جو زمین کے چھٹے حصہ کے مالک تھے۔1922ء میں لینن کی قیادت میں دور دراز کی ریاستوں کو روس میں شامل کیا گیا اور سرکاری طور پر یو ایس ایس آر (USSR) کا قیام ہوا۔

سوویت یونین کی معیشت کارل مارکس کے معاشی اصولوں پر مبنی تھی، یہ اقتصادی نظام پنج سالہ منصوبوں کی بنیاد پر نافذ کیا جاتا تھا، اور مملکت کی زیادہ تر آبادی کو شدت کے ساتھ صنعت اور زراعت کے کام میں لگایا جاتا۔

بیسویں صدی سوویت یونین کے عروج کی صدی تھی؛ تاریخ، معیشت، فنون لطیفہ اور سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں اسی کا سکہ رواں تھا، خلا میں پہلا سیٹلائٹ بھی اسی نے بھیجا اور پہلا انسان بھی، سیاسی محاذ پر اس نے ہٹلر کو شکست دی، ویتنام اور کیوبا کے انقلابات میں اہم کردار ادا کیا اور جوہری طاقت کی دوڑ میں پیش پیش رہا۔

سوویت یونین کو طاقت اور اس کی ترقیات کو چیلنج دینے والی دوسری عظیم طاقت ریاستہائے متحدہ امریکہ (USA) کی تھی لیکن اتفاق کی بات کہ دوسری عالمی جنگ میں سوویت یونین اور امریکہ کا مشترک دشمن جرمنی تھا، اس لیے یہ دونوں عظیم طاقتیں ایک ہی اتحاد میں شامل تھیں، لیکن جب امریکہ نے سوویت یونین کی مرضی کو شامل کیے بغیر جاپان پر ایٹمی حملے کیے تو اس اتحاد میں ایک زبردست دراڑ پڑ گئی، پھر یہ دراڑ جنگ بندی کے بعد تعمیر نو کو لے کر مزید وسیع ہوتی گئی جس کی بنیاد اُن کا سیاسی نظام و معاشی نظریہ تھا۔

جنگ عظیم کی فتح یافتہ طاقتوں کے مابین جرمنی کی تقسیم کو لے کر بھی زبردست اختلاف رونما ہوا، اور مغربی دنیا دو مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئی، ایک سوویت یونین کی سربراہی میں کمیونسٹ اور دوسرا سرمایہ دار جس پر امریکہ کا غلبہ تھا۔

کمیونزم اور کیپٹلزم کے اختلاف کے ساتھ ہی دنیا کا ایک اہم حصہ سوویت یونین اور امریکہ کے اتحادیوں میں تقسیم ہوگیا، یہ دونوں اتحاد 1945ء سے لے کر 1991ء تک تعمیر وترقی کے مختلف شعبوں اور اسلحہ کے حصول میں ایک دوسرے کے سخت حریف رہے، اس طویل عرصہ میں ان کے اختلافات، تضادات اور معرکہ آرائیوں کو ''سرد جنگ'' (Cold War) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چند دہائیوں میں سرد جنگ کا دائرہ یورپ اور دنیا کے ہر خطے میں پھیل گیا، امریکہ نے سوویت یونین کی طاقت کو محدود کرنے لیے خصوصاً مغربی یورپ، مشرق وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا میں کئی ممالک سے اتحاد قائم کیا۔

1949ء میں امریکہ نے سوویت یونین کے بڑھتے اثرات اور یورپ کی جانب توسیع کے خطرات کے پیش نظر ایک آرگنائزیشن کی بنیاد بھی رکھی جس میں امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، فرانس، پرتگال، اٹلی وغیرہ تقریباً بارہ ممالک شامل ہوئے، اس کے ذریعہ رکن ممالک کے مشترکہ دفاع کے لیے سیاسی وفوجی اتحاد قائم ہوا، اس آرگنائزیشن کو (The North Atlantic Treaty Organisation) NATO کہا جاتا ہے جس میں اس وقت تیس (30) ممبران شامل ہیں۔

نیٹو کے آرٹیکل 5 کے مطابق ''تمام ممبران اس بات پر متفق ہیں کہ یورپ یا شمالی امریکا میں سے کسی بھی ملک پر ہونے والا حملہ تمام ممالک پر حملہ تصور کیا جائے گا، نیز تمام ارکان اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ایسے کسی بھی حملے کی صورت میں تمام فریق اقوام متحدہ

کے چارٹر کے آرٹیکل 51 کے مطابق اپنے انفرادی اور مشترکہ حقِ دفاع کو استعمال کرتے ہوئے اس ملک کی مدد کریں گے جس پر حملہ ہوا ہوگا۔ تقریباً پچاس سال کے سرد جنگ کے دوران کئی مرتبہ ایسے تنازعات بھی پیدا ہوئے جو دنیا کو عالمی جنگ کے دہانے پر لے آئے جن میں برلن ناکہ بندی (1948ء-1949ء)، جنگ کوریا (1950ء-1953ء) جنگ ویتنام (1959ء-1975ء)، کیوبا میزائل بحران (1962ء) اور سوویت افغان جنگ (1979ء-1989ء) قابل ذکر ہیں۔

سوویت یونین کے خلاف امریکہ کی سرد جنگ، نیٹو کی گھیرا بندی اور دیگر خارجی وداخلی اسباب سے قطع نظر متنوع قومیتوں پر آمریت کے ساتھ حکومت کرنا اور کمیونزم کے غیر متوازن نظام میں ان کو ڈھالنے کی کوشش کرنا حکومت کی چولیں ہلا دینے کے مرادف تھا، چنانچہ جلد ہی ملک کا سیاسی نظام ڈھیلا ہوا، معیشت بری طرح متاثر ہوئی اور 1980ء میں امریکہ کو ٹکر دینے والے ملک کی جی ڈی پی امریکہ سے نصف رہ گئی۔

25 دسمبر 1991ء کو سوویت یونین کے سربراہ میخائل گورباچوف نے اپنی ناکامی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے صدارتی اختیارات روسی فیڈریشن کے نومنتخب صدر بورس یلسن کے سپرد کر دیے۔ اس رات ہتھوڑے اور درانتی کی علامتوں کے ساتھ سرخ سوویت یونین کا پرچم کریمان سے نیچے اتارا گیا اور اس کی جگہ روسی ترنگا لہرانے لگا۔ سوویت یونین کا خاتمہ دنیا کی سب سے بڑی جغرافیائی تبدیلی تھی۔

سوویت یونین کے اچانک خاتمہ نے پوری دنیا کو سکتہ میں ڈال دیا، یہ ایک عظیم سلطنت تھی جس نے ستر سالوں تک متعدد اتحادی ریاستوں کو اپنے کنٹرول میں رکھا تھا اور اپنا سیاسی اثر ورسوخ پوری دنیا میں پھیلایا تھا، یہ بکھراؤ اتنا بڑا تھا کہ پہلے دن سے آج تک اس کے جھٹکے محسوس کیے جاتے رہے ہیں۔

سوویت یونین کے بکھرتے ہی 15 ریاستیں مستقل طور پر وجود میں آگئیں، جن میں مرکزی وبنیادی ریاست ''روس'' (Russia) کی تھی، ان آزاد ریاستوں میں **یوکرین** (Ukraine) کو اپنی تاریخی وجغرافیائی اور سیاسی پس منظر کی بنیادوں پر سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

یوکرین 1920ء سے 1991ء تک سوویت یونین کا حصہ تھا، نوے کی دہائی میں جب سوویت یونین کا آفتابِ عروج زرد پڑنے لگا تو یوکرین نے 16 جولائی 1990ء کو سوویت یونین سے علیحدگی کا اعلان کر دیا اور پھر تقریباً ایک سال بعد 24 اگست 1991ء کو اس نے اپنی خودمختاری وسوویت یونین سے مکمل آزادی حاصل کر لی۔

یوکرین تقریباً پانچ کروڑ کی آبادی پر مشتمل ایک مسیحی ملک ہے جس میں سترہ فیصد (17%) کے قریب آبادی روسی نسل سے ہے، روس کا ہمیشہ سے دعوی ہے کہ یوکرین اسی کا حصہ ہے، اسی بنیاد پر 1921ء میں اسٹالین نے یہاں تاریخ کی بدترین نسل کشی بھی کی، جس کا مقصد یوکرین سے یوکرینیوں کا صفایا تھا، لیکن ہزاروں ہلاکتوں کے باوجود یوکرینیوں کا جذبۂ حریت سرد نہ پڑ سکا۔

یوکرین مشرقی یورپ میں جغرافیائی اعتبار سے روس کے بعد سب سے بڑا ملک ہے، اس کی سرحدوں میں لیتھوانیا، پولینڈ اور رومانیہ میں شامل ہیں؛ جہاں امریکہ نے نیٹو کی مدد سے اپنے فوجی اڈے بنا رکھے ہیں، یوکرین کی اکثریت مغربی مزاج کی حامل ہے اور خود یوکرین بھی نیٹو میں ضم ہونا چاہتا ہے، جس میں امریکہ کی ذاتی دلچسپی بھی شامل ہے تاکہ روس کو پورے طور پر کنٹرول کرنا آسان ہو، ادھر روس کا ہمیشہ سے دعویٰ ہے کہ یوکرین اسی کا حصہ ہے، جسے بطور طاقت وہ دوبارہ حاصل کر سکتا ہے، لیکن نیٹو میں ضم ہونے کے بعد یوکرین جیسے کمزور ملک کے سامنے روس کو گھٹنے ٹیکنے پڑ سکتے ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں اگر روس یوکرین کے خلاف کوئی کارروائی کرتا ہے تو یہ کارروائی پورے نیٹو ممالک کے خلاف ہوگی اور اکیلا روس نیٹو کی طاقت کا سامنا نہیں کر سکتا، اس لیے وہ ہر صورت میں یوکرین کو نیٹو میں شامل ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔

2014ء میں وکٹر ینوکووچ (Viktor Yanukovych) یوکرین کا صدر تھا، اس کا میلان مغربی یورپ کے بجائے روس کی جانب تھا، اس لیے اس نے یورپی یونین سے منسلک ہونے کا معاہدہ مسترد کر دیا، جس کے بعد پورے ملک میں بڑے پیمانے پر احتجاج شروع ہو گئے۔ اس احتجاجی لہر کے نتیجے میں وکٹوریانوکووچ کو اقتدار چھوڑ کر روس میں پناہ لینی پڑی۔ اسی دوران یوکرین کے مشرقی علاقوں سے روس کی سرحد پر مامور سکیورٹی افواج پر حملے ہوئے، اسے ہی عنوان بنا کر روسی صدر پوتن نے یوکرین کے سب سے زیادہ علامتی روسی علاقہ جزیرہ نمائے کریمیا پر قبضہ کی کوشش کی، پہلے روسیوں کی مظلومیت کے حوالہ دے کر وہاں اپنی فوج اتاری، پھر اسے ملک کے دیگر حصوں سے کاٹ دیا، اس کے بعد وہاں کی بیشتر نسلی روسی آبادی کا ریفرنڈم کروا کر اسے روس کا حصہ بنالیا۔ کریمیا پر قبضہ کے وقت روس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی یوکرین کے دیگر دو صوبوں لوہنسک (Luhansk) اور ڈونیسک (Donetsk) پر بھی قبضہ جمالیا اور بعد میں اسے روس نواز سرب باغیوں کے حوالے کر دیا، جہاں مستقل تنازعات اور جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی۔ سرب باغی روسی حامی ہیں اور یہ دونوں صوبے یوکرین کے زرخیز ترین علاقوں میں شمار ہوتے ہیں، 21 فروری 2022ء کو روس نے ان دونوں صوبوں کو آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کیا اور دونوں ممالک نووروسیا (Noverussia) کے نام سے مسیحی فیڈریشن میں ضم ہو گئے پھر امن بحالی کے عنوان سے روس نے نووروسیا میں اپنی فوجیں بھی اتار دیں۔

روس کے اس اقدام پر امریکہ نے سخت ردعمل کا اظہار کیا اور روس پر متعدد پابندیاں عائد کرتے ہوئے سخت نتائج کی دھمکیاں بھی دیں، نیٹو کی پشت پناہی میں یوکرین کی تیوری بھی چڑھ گئی، بالآخر ماحول گرم ہوتا گیا اور 24 فروری کو روس نے یوکرین پر حملہ کر دیا، روس کا یہ حملہ یوکرین پر تین جانب سے ہوا جس میں بیلاروس کی طرف سے یوکرینی دارالحکومت کیف بھی زد میں آیا۔

دفاعی اعتبار سے یوکرین کا روس سے کوئی موازنہ نہیں ہے، دنیا بھر میں عسکری قوت اور دفاعی ساز وسامان کے اعتبار سے ملکوں کی درجہ بندی جاری کرنے والے عالمی ادارہ ''گلوبل فائر پاور'' (Global Firepower) کے مطابق روس دنیا کی دوسری بڑی فوجی طاقت ہے جب کہ یوکرین کا نمبر بائیسواں واں ہے۔

روس کے پاس بڑی تعداد میں جوہری ہتھیار بھی موجود ہیں، سوویت یونین کے انہدام کے بعد روس کو سوویت ایٹمی ہتھیاروں کا بڑا حصہ وراثت میں ملا تھا، اگرچہ روس نے اپنے جوہری ہتھیاروں کے ذخائر میں بڑی حد تک تخفیف بھی کر دی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اب بھی دنیا میں سب سے بڑی جوہری قوت ہے۔

2018ء کے قوم سے اپنے سالانہ خطاب میں پوتن نے نہایت فخریہ انداز میں روس کے جدید اور طاقتور ہتھیاروں کا ذکر کیا تھا۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ سوویت یونین سے علیحدگی کے وقت یوکرین کے پاس کافی جوہری ہتھیار موجود تھے جو تعداد کے لحاظ سے دنیا بھر میں اس وقت تیسرے نمبر پر تھے، یہ ہتھیار سوویت یونین کی جانب سے وہاں چھوڑے گئے تھے تاہم آزادی کے بعد یوکرین نے خود کو جوہری ہتھیاروں سے پاک کرنے کا بڑا فیصلہ کیا، اس کے اس اقدام کے بدلے میں امریکہ، برطانیہ اور روس نے 1994ء میں یوکرین کی حفاظت کو یقینی بنانے کا معاہدہ کیا جسے ''بڈاپسٹ میمورنڈم'' (Budapest Memorandum) کہا جاتا ہے۔ موجودہ صورتحال میں جب دونوں ممالک کے درمیان جنگ چھڑ چکی ہے یہ معاہدہ پھر زیر بحث ہے۔

روس یوکرین جنگ شروع ہونے سے پہلے پہلے جب نیٹو اتحاد اور امریکہ کی طرف سے یوکرین کی ہر قسم کی مدد کی خبریں آرہی تھیں تب اکثر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ تیسری جنگ عظیم برپا ہو رہی ہے لیکن جب روس نے یوکرین پر حملہ کیا اور نیٹو اتحاد بشمول امریکہ اور برطانیہ سب نے صرف سیاسی بیانات پر اکتفا کیا تو تیسری جنگ عظیم کے غبارے سے بھی ہوا نکل گئی، اب یہ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گی بلکہ بہت جلد روس بعض اہم مقامات پر قبضہ کر کے جنگ بندی کا اعلان کر دے گا۔

اصلاحی خطبات

شب برات کی فضیلت واہمیت

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''شب برات کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرامؓ سے احادیث مروی ہیں، جن میں نبی اکرم ﷺ نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی، خیر القرون میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے، لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں، لہٰذا اس کو بدعت کہنا یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں، صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگنا، اس میں عبادت کرنا باعث اجر وثواب ہے اور اس کی خصوصی اہمیت ہے، البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقہ سے عبادت کی جائے، بلکہ نفلی عبادات جس قدر ہو سکے، وہ اس رات میں انجام دی جائے، نفلی نماز پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں، ذکر کریں، تسبیح پڑھیں، دعائیں کریں، یہ ساری عبادتیں اس رات میں کی جاسکتی ہیں، لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

یہ فضیلت والی راتیں شور وشغب کی نہیں ہیں، میلے ٹھیلے کی راتیں نہیں ہیں، یہ اجتماع کی راتیں نہیں، بلکہ یہ راتیں اس لیے ہیں کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات استوار کرلو اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اگر تنہائی میں عبادت کرنے بیٹھتے ہیں تو نیند آجاتی ہے، مسجد میں شبینہ اور روشنی ہوتی ہے اور ایک جم غفیر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے نیند پر قابو پانے میں آسانی ہوجاتی ہے ـــــ اس بات پر یقین کرو کہ اگر تمہیں چند لمحات گوشہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے میسر آگئے تو وہ چند لمحات اس ساری رات سے بدرجہا بہتر ہیں جو تم نے میلے میں گزاری، اس لیے کہ تنہائی میں جو وقت گزارا وہ سنت کے مطابق گزارا اور میلے میں جو وقت گزارا وہ خلاف سنت گزارا، وہ رات اتنی قیمتی نہیں، جتنے وہ چند لمحات قیمتی ہیں، جو آپ نے اخلاص کے ساتھ ریا کے بغیر گوشہ تنہائی میں گزار لیے۔

میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ اپنی عقل مطابق کام کرنے کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ ان کے کہنے پر عمل کرنے کا نام دین ہے، ان کی پیروی اور اتباع کا نام دین ہے، یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گھنٹے شمار کرتے ہیں کہ تم نے مسجد میں کتنے گھنٹے گزارے؟ وہاں گھنٹے شمار نہیں کیے جاتے، وہاں تو اخلاص دیکھا جاتا ہے، اگر چند لمحات بھی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں میسر آگئے، تو وہ چند لمحات ہی انشاء اللہ بیڑا پار کردیں گے، لیکن اگر آپ نے عبادت میں کئی گھنٹے گزار دیے، مگر سنت کے خلاف گزارے تو اس کا کچھ بھی حاصل نہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ شب برات رمضان المبارک کا استقبال ہے، جس میں رمضان کی تیاری ہو رہی ہے اور اب وہ مقدس مہینہ آنے والا ہے۔''

(۴:۲۵۸-۲۶۹)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✦ March 2022 ✦ Issue: 03

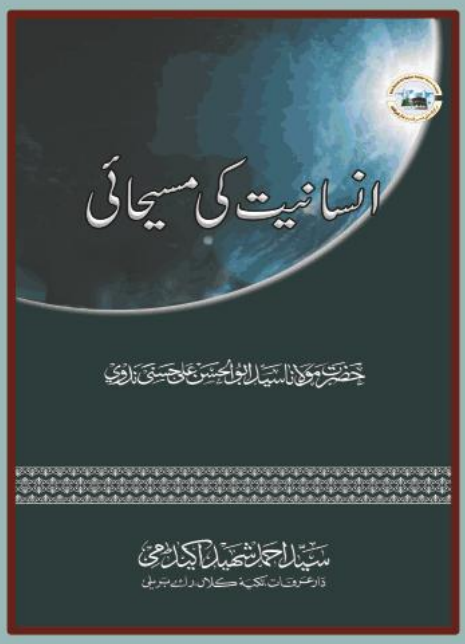

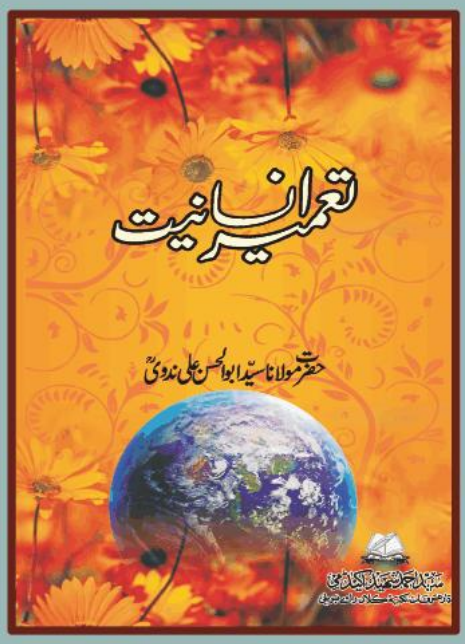

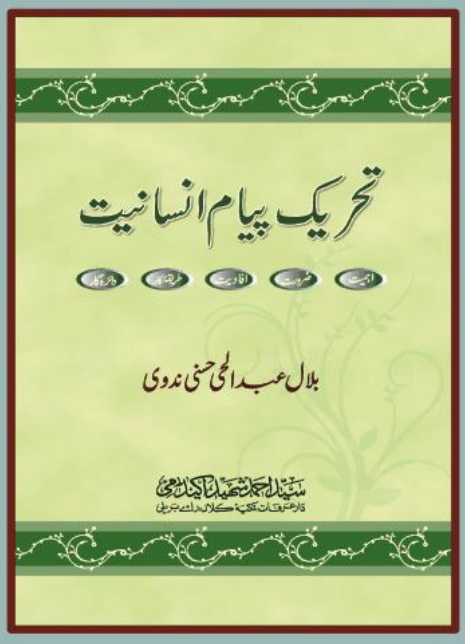

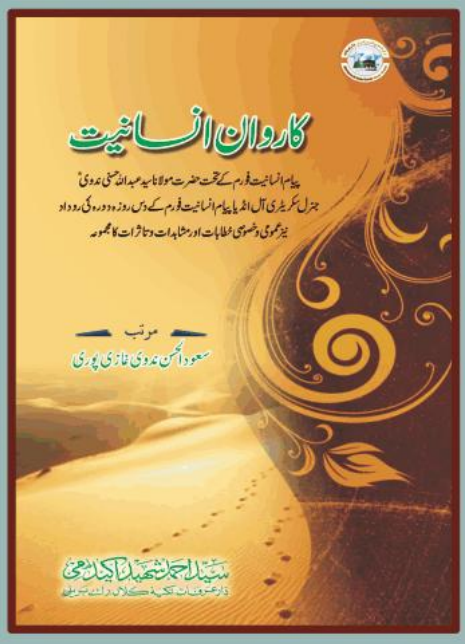

Rs. 15/-

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)